روایاتِ متعارضہ میں تطبیق کے اصول اور عدمِ تطبیق کی وجوہات

Principles of application between contradictory Ahadith, and reasons for said application not being possible

☆ریاست علی

ریسرچ اسکالر، شعبہ قرآن وسنۃ، جامعہ کراچی

☆☆ڈاکٹر شہناز غازی

ریسرچ سپروائزر /کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

Abstract:

The reader of narrated Ahadith sometimes notices a contradiction among them. The question arises, that what is the reason of contradiction? This article will present some principles which will bring the apparent conflicting traditions in line with conformity. It will also express that contradiction in tradition is not actual. such contradictions appear due to the ignorance of the accurate understanding of the traditions. In the end, it will be discussed that why some traditions apparently seem to be conflicting.

Keywords: Principles, application, contradictory, Ahadith, Reasons, not, being, possible

امتِ مسلمہ اس امر پر متفق ہے کہ حدیثِ نبوی، قرآنِ کریم کے بعد دین کا دوسرا بڑا اور اہم مأخذ ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات وغیرہ سے متعلق آیاتِ قرآنیہ کے خوبصورت اجمال کا پردہ احادیثِ نبویہ ہی اٹھاتی ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَأَنزَلنَا اِلَیکَ الذِّکرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیھِم﴾[1]

ترجمہ: "اور اے پیغمبر! ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نازل کیا ہے تا کہ تم لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کر دو جو ان کے لئے اتاری گئی ہیں۔"

مذکورہ آیت واضح کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات در حقیقت قرآن کریم ہی کی شرح و توضیح ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے جہاں متنِ قرآنی کی حفاظت کا انتظام ہوا، وہیں اس کی شرح کی حفاظت کا بھی سامان پیدا کیا گیا۔ چنانچہ محدثین نے احادیثِ نبویہ کی حفاظت اور جمع و تدوین کے لئے بے مثال جدوجہد اور جانفشانی سے کام لیا۔ ان حضرات کی کاوشوں کے نتیجے میں احادیثِ نبویہ کتبِ حدیث میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئیں۔ ان کتبِ احادیث کے مطالعہ کے دوران، قاری بعض اوقات ایک خلجان سا محسوس کرتا ہے، وہ یہ کہ اسے بعض روایات باہم متعارض نظر آتی ہیں کہ ایک حدیث میں کسی چیز کا حکم اور دوسری میں اس کی ممانعت، یا ایک میں کسی چیز کا اثبات اور دوسری میں اس کی نفی ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے اسی تعارض کی بنا پر نہ صرف یہ کہ ذخیرہ احادیث کو غیر مستند قرار دیا، بلکہ اس خزینہ کو شدید تنقید کا نشانہ بھی بنایا۔ کتاب "دو اسلام" کے مقدمہ میں جناب عرشی صاحب تحریر کرتے ہیں:

"ہمارے بے شمار اسلاموں کا منبع، ہماری فرقہ بندیوں کی وجہ، ہماری مسلسل تباہی و بربادی کا واحد سبب وہ بے شمار متضاد و متخالف حدیثیں ہیں جن سے ہر فرقہ اپنے مطلب کی بات نکال لیتا ہے[2]"۔

ڈاکٹر غلام برق جیلانی مرحوم مذکورہ کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"صحاح میں اس طرح کی احادیث بے شمار ہیں کہ واقعہ ایک ہے لیکن روایات میں بڑا اختلاف ہے اور ان تمام کو بیک وقت صحیح کہنا ناممکن ہے۔ احادیث کے مشتبہ ہونے پر یہ داخلی شہادت اتنی زیادہ اور زبردست ہے کہ ایک طالبِ حقیقت کو کوئی دلیل اور کوئی تاویل مطمئن نہیں کر سکتی[3]"۔

زیرِ نظر مضمون میں وہ اصول ذکر کئے گئے ہیں جن کے ذریعے متعارض نظر آنے والی روایات میں تطبیق دی جاتی ہے۔ جس سے یہ واضح ہو گا کہ روایات میں پایا جانے والا تعارض، حقیقی تعارض نہیں بلکہ محض ظاہری تعارض ہے جو روایات کے صحیح مفہوم اور حقیقی محل سے ناواقفیت کی بنا پر نظر آتا ہے۔ آخر میں بعض متعارض روایات میں تطبیق ممکن نظر نہ آنے کی وجوہات بھی زیرِ بحث لائی گئیں ہیں، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ متعارض روایات میں اگر کہیں تطبیق ممکن نظر نہیں آتی تو اس کی کیا وجوہات ہیں۔

متعارض روایات میں تطبیق کے اصول

اصولِ تطبیق کے بیان سے قبل یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ تطبیق بین الروایات، درحقیقیت روایاتِ متعارضہ میں سے ہر ایک کے صحیح اور حقیقی مفہوم کی تعیین سے عبارت ہے۔ یہ نہایت مشکل اور محنتِ شاقہ کا متقاضی عمل ہے، جس کے لئے علمِ حدیث پر علی وجہ البصیرہ عبور اور ذخیرہ احادیث پر مکمل دسترس ناگزیر ہے۔ امام نوویؒ اس بارے میں تحریر کرتے ہیں:

هذا أهمّ الأنواع، ويضطرّ إلى معرفته جميع العلماء من جميع الطوائف، وهو أن يأتي حديثان متضادّان معنى ظاهرا، فيوفّق بينهما أو يرجّح أحدهما، وإنّما يكمل له الأئمةُ الجامعون في الحديث والفقه، والأصوليّون الغواصّون على المعاني.[4]

ترجمہ: "علمِ حدیث کی اقسام میں سے ایک اہم قسم ایسی ہے جس کی ضرورت تمام اہلِ علم کو ہے، وہ یہ کہ دو حدیثیں جن کے معنی میں ظاہراً تعارض ہو ان میں تطبیق دی جائے یا کسی ایک کو ترجیح دی جائے۔ اس عمل کی انجام دہی کی مکمل صلاحیت وہی ائمہ رکھتے ہیں جو علمِ حدیث اور علمِ فقہ دونوں میں مہارت رکھتے ہوں، اور اس کے ساتھ ساتھ علمِ اصولِ فقہ کی گہرائیوں میں بھی غوطہ زن ہوں"۔

پہلا اصول

بیانِ جواز پر محمول کرنا:

بعض روایات میں کسی عمل کی ممانعت مذکور ہوتی ہے، لیکن ممانعت سے مقصود اسے ناجائز یا حرام ٹھہرانا نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ترک کو افضل قرار دینا ہوتا ہے۔ اس نوعیت کی ممانعت "نہیِ تنزیہی" کہلاتی ہے۔ چنانچہ نہی تنزیہی کے طور پر جس عمل سے ممانعت ہو وہ ممنوع یا ناجائز نہیں، بلکہ خلافِ افضل اور مکروہ ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کی مثال درج ذیل آیت میں پائی جاتی ہے:

﴿وَلَا تَيَمَّمُوْا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ﴾[5]

ترجمہ: "اور ردّی (ناکارہ) چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کرو"۔

اس آیت میں ناکارہ مال صدقہ کرنے کی ممانعت ہے۔ یہ ممانعت نفلی صدقات میں نہی تنزیہی کے لئے ہے۔ چنانچہ ردی مال صدقہ کرنا ناجائز یا حرام نہیں، البتہ خلافِ افضل ہے[6]۔ ایسے افعال جن سے بطور نہیِ تنزیہی منع کیا گیا ہو چونکہ فی نفسہ جائز ہوتے ہیں، اس لئے ان کے جواز کی وضاحت کی غرض سے آنحضرت ﷺ بعض اوقات خود انہیں انجام دیتے، تاکہ کراہت اور جواز دونوں

جہتیں مکمل طور پر واضح ہو جائیں۔ اب بعض روایات میں ایسے اعمال کی ممانعت جبکہ بعض میں خود آنحضرت ﷺ کا انہیں انجام دینا مذکور ہوتا ہے۔ یوں یہ روایات باہم متعارض نظر آتی ہیں۔ ایسی روایات میں رسول اللہ ﷺ کے عمل کو بیانِ جواز پر محمول کر کے ان میں تطبیق دی جاتی ہے۔

مثال:

کھڑے ہو کر پانی پینے سے متعلق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

"أنَّ رسولَ اللّٰہ صلَّی اللّٰہ عَلَیہ وَسَلَّم نَہَی أن یَشرَبَ الرَّجلُ قائمًا [7]".

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا"۔

اس روایت میں کھڑے ہو کر پانی پینے سے ممانعت مذکور ہے، جبکہ ترمذی کی درج ذیل روایت میں آپ ﷺ کا کھڑے ہو کر پانی نوش فرمانا مذکور ہے:

"عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدِّہ قال: رأیتُ رسولَ اللّٰہ صلَّی اللّٰہ علیہ وسلَّم یَشرَبُ قائمًا و قاعداً[8]".

ترجمہ: "صحابی نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں حالتوں میں پانی نوش فرماتے ہوئے دیکھا ہے"۔

حل تعارض:

اس تعارض کا حل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمانا نہی تنزیہی کے طور پر اور خود کھڑے ہو کر پانی نوش فرمانا بیانِ جواز کے لئے ہے، لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں [9]۔

دوسرا اصول

اختلافِ زمان پر محمول کرنا:

بعض اوقات دو روایات دو مختلف زمانوں سے متعلق ہوتی ہیں، لیکن ان میں متعلقہ زمانہ کی واضح صراحت نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے یہ روایات باہم متعارض نظر آتی ہیں۔ ایسی روایات کو ان کے متعلقہ زمانہ پر محمول کر کے ان میں تطبیق دی جاتی ہے۔

مثال:

ایک مسلمان کے لئے معاشرے کے افراد کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے یا الگ تھلگ؟ اس بارے میں بعض روایات سے صورتِ اولی کی فضیلت معلوم ہوتی ہے جبکہ بعض سے صورتِ ثانیہ کی۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

"ألا أُخبِرُكم بِخيرِ النَّاس مَنزِلا ؟ قلنا: بَلى يَا رسولَ الله، قال: "آخِذٌ بِعِنانِ فَرسه فِي سبيلِ الله حَتَّى يُقتلَ أو يَمُوت،وأُخبِرُكم بِالَّذِي يَلِيه؟ قُلنا: نعم، يا رسو ل الله، قال:"رُجلٌ مُعتَزِلٌ فِي شَعب، يُقِيمُ الصَّلاةَ، ويُؤتِي الزَّكوة، ويَعتَزِلُ شُرُورَ الناس[10]".

ترجمہ:"نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں بتاؤں کہ لوگوں میں درجہ کے اعتبار سے سب سے بہتر شخص کون ہے؟ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ضرور بتایئے، آپ نے فرمایا: وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اللہ کے راستہ میں (جہاد کے لئے) نکلا رہے یہاں تک کہ وہ قتل کر دیا جائے یا اپنی موت مر جائے۔ اور کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس کے بعد بہتر کون ہے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! بتایئے، آپ نے فرمایا:"وہ شخص جو لوگوں سے الگ تھلگ کسی گھاٹی میں مقیم ہو رہے، نماز پڑھتا رہے، زکوۃ ادا کرتا رہے، اور برے لوگوں سے دور رہے"۔

اس روایت میں موت تک مصروفِ جہاد رہنے والے کے بعد اس شخص کو افضل قرار دیا گیا ہے جو عزلت نشین ہو کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما کی درج ذیل روایت میں اس شخص کو افضل قرار دیا گیا ہے جو لوگوں کے ساتھ میل جول رکھے:

"عَن ابنِ عمر قال: قال رسولُ الله ﷺ:"المو ٔ منُ الَّذى يُخَالِطُ النَّاسَ ويَصبِرُ عَلَى أَذَاهم اَفضلُ مِن المؤمنِ الَّذى لاَ يُخالِطُ النَّاس وَلاَ يَصبِرُ عَلَى أذَاهم[11]".

ترجمہ:"وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرے، اس مومن سے افضل ہے جو لوگوں سے میل جول نہ رکھے اور ان کی تکلیفوں پر صبر نہ کرے"۔

دونوں حدیثوں میں تعارض نظر آتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

حل تعارض:

اس تعارض کا حل یہ ہے کہ مذکورہ دونوں روایتیں الگ الگ زمانہ کے حوالے سے ہیں۔ موٴخر الذکر روایت جس میں میل جول کی اور نتیجتاً مصائب وناگوار امور پر صبر کی فضلیت ہے، عام حالات سے متعلق ہے۔ عام حالات میں لوگوں کے ساتھ مل کر رہنا اوراس کے نتیجے میں ان کی طرف سے تکالیف اور ناگوار امور پر صبر اختیار کرنا، الگ تھلگ رہنے سے بہتر اور افضل ہے۔ جبکہ اول الذکر روایت جس میں گوشہ نشینی اور ترکِ اختلاط کی فضیلت ہے، فتنوں کے زمانے کے بارے ہے۔ فتنوں، مثلاً خانہ جنگی، فسادات، حرص وہوس پرستی، خود رائی وخود نمائی وغیرہ کے ظہور وشیوع کے بعد معاشرے کی سرگرمیوں میں شریک ہونے میں دین وایمان کا خطرہ اور فتنوں میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے ایسے زمانہ کے متعلق حکم یہ ہے کہ ایمان کی سلامتی اور مال وجان وعزت آبرو کے تحفظ کی خاطر گوشہ نشینی اختیار کرلو۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

ترجمہ: ”تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، یہاں تک کہ جب تم دیکھو کہ بخل کی راہ پر چلا جانے لگے، خواہش کی پیروی ہونے لگے، دنیا کو ترجیح دی جائے، اور خود رائی عام ہو جائے، اور تم ایسا معاملہ دیکھو جس کے سوا تمہارے پاس کوئی راستہ نہ ہو تو اب تم اپنی ہی فکر کرو، اور دوسروں کے معاملات چھوڑ دو۔ بلاشبہ تمہارے سامنے صبر کے دن ہیں جن میں صبر کرنا اپنی ہتھیلی پر چنگاری رکھنے کے مترادف ہو گا۔ اس وقت ایک عمل کرنے والے کے لئے پچاّس عمل کرنے والوں کے برابر اجر ہو گا[12]“۔

اس روایت میں آپ ﷺ نے اس کی صراحت فرمائی کہ جب تک مذکورہ خرابیاں ظاہر نہ ہوں اس وقت تک لوگوں کے ساتھ مل کر زندگی بسر کرو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہو، البتہ جب مذکورہ خرابیاں ظاہر ہو جائیں تو پھر تم گوشہ گیر ہو کر اپنی فکر رکھو۔ علامہ طحاوی دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ترجمہ: ”وہ احادیث جن میں لوگوں سے میل جول ترک کرنے کی فضیلت مذکور ہے ممکن ہے ان میں ایک خاص وقت مراد ہو اور یہ وہ وقت ہو سکتا ہے جس کا تذکرہ آپ ﷺ نے ابو ثعلبہ خشنی کی حدیث میں کیا ہے۔ حضرت ابو ثعلبہ خشنی نے آپ ﷺ سے اللہ تعالی کے فرمان: ﴿یأیھَا الَّذِینَ آ مَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ﴾ کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، یہاں تک کہ جب تم دیکھو کہ بخل کی راہ پر چلا جانے لگے، خواہش کی پیروی ہونے لگے۔۔۔ تو اب تم اپنی ہی فکر کرو، اور دوسروں کے معاملات چھوڑ دو[13]“۔

تیسرا اصول

اختلافِ اشخاص پر محمول کرنا:

تطبیق بین الروایات کا تیسرا اصول اختلافِ اشخاص پر محمول کرنا ہے۔ روایاتِ متعارضہ کے سیاق نیز دیگر قرائن وشواہد سے اگر واضح ہوجائے کہ دونوں روایات ایک طرح کے افراد کے بارے میں نہیں، بلکہ مختلف نوعیت کے افراد سے متعلق ہیں، تو ان روایات کو اختلافِ اشخاص پر محمول کرکے ان میں تطبیق دی جاتی ہے۔

مثال:

ایک روایت میں ہے:

"عن أبي هريرة أن رجلا سأل النبي صلي الله عليه وسلم عن المباشرة للصائم فرخّص له، وأتاه آخر فسأله فنهاه، فاذ الذي رخّص له شيخ، والذي نهاه شابّ".

ترجمہ: "ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے روزے کی حالت میں بیوی سے بوس وکنار سے متعلق سوال کیا، آپ نے منع فرمایا، پھر ایک اور شخص نے دریافت کیا، آپ نے اسے اجازت دی۔ روای بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو آپ نے منع فرمایا وہ جوان تھا اور جسے اجازت دی وہ ضعیف العمر[14]۔"

چنانچہ اجازت وممانعت کا تعلق مختلف نوعیت کے افراد سے تھا۔ ایک اور روایت میں ہے:

"عن أبی هريرة رضی الله تعالی عنه أنّه جاء رجلٌ الی نبیّ الله ﷺ فقال: يا نبیَّ الله دُلَّنِی علی عملٍ اذا عَمِلتُه دخلتُ الجنّةَ، ولا تُكثِر علیّ، قال: لا تغضب،وأتاه رجلٌ آخَر فقال: نبیَّ الله دُلَّنِی علی عملٍ اذا عَمِلتُه دخلتُ الجنّة، قال:كن محسِنًا[15]".

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے نبی! مجھے ایسا عمل بتایئے جسے کرکے میں جنت میں داخل ہو جاؤں اور مجھے (مختصر عمل بتایئے) زیادہ اعمال مت بتایئے، آپ نے فرمایا: "تم غصہ مت کیا کرو۔" ایک اور شخص نے آپ کے پاس آکر یہی سوال کیا کہ اے اللہ کے نبی! مجھے ایسا عمل بتایئے جسے کرکے میں جنت میں داخل ہو جاؤں، آپ نے فرمایا: "تم محسن (احسان کرنے والے) بن جاؤ"۔

اس روایت میں آپ ﷺ نے دونوں سائلین کو الگ الگ جواب ارشاد فرمائے۔ یہاں بھی یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ کے جواب کا اختلاف، اختلافِ اشخاص کی بناپر ہو اور آپ نے ہر ایک کو اس کے مناسبِ حال جواب ارشاد فرمایا ہو۔

چوتھا اصول

نفی کو صفتِ کمال کی نفی پر محمول کرنا:

روایاتِ حدیث میں بسا اوقات کسی چیز کی نفی مذکور ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں اس چیز کی نفی نہیں، اس کی صفتِ کمال کی نفی مقصود ہوتی ہے، البتہ کلام میں تاکید اور زور پیدا کرنے کی غرض سے نفسِ شی کی نفی کر دی جاتی ہے۔ ایسی روایات کو اگر ان کے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے نفسِ شی کی نفی مراد لے لی جائے تو روایات میں تعارض نظر آنے لگتا ہے۔

مثال:

صحیح بخاری میں ایک روایت ہے:

"لَایَزنِی الزَّانِی حِینَ یَزنِی وھو مُوٴمِنٌ، وَلَا یَسرِقُ السَّارِقُ حِینَ یَسرِقُ وھو مُوٴمِنٌ[16]".

ترجمہ: "کوئی زنا کرنے والا شخص مومن ہونے کی حالت میں زنا نہیں کرتا، اور کوئی چوری کرنے والا شخص مومن ہونے کی حالت میں چوری نہیں کرتا"۔

مذکورہ روایت کا ظاہری معنی یہ ہے کہ زنا کرنے والا یا چوری کرنے والا مومن نہیں رہتا[17] جبکہ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

"مَامِن عَبدٍ قَالَ لَا إله إلّا الله، ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذٰلِکَ إلَّا دَخَلَ الجَنَّة۔ قلت:وَإن زَنَى وَإن سَرَقَ، قال: وإن زَنَى وَإن سَرَق"الخ[18].

ترجمہ: "جو بندہ بھی "لا الہ الا اللہ" کا اقرار کرے اور پھر اسی کلمہ پر اس کا خاتمہ ہو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے (ابوذر نے) پوچھا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے؟ آپ نے فرمایا: ہاں اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے"۔

اس روایت میں اس کی صراحت ہے کہ زنا اور چوری کا مرتکب اگر کلمہ توحید کے اقرار پر قائم رہے تو وہ جنت میں داخل ہو گا، اور اِن معاصی سے اس کا ایمان زائل نہیں ہو گا۔

حل تعارض:

اول الذکر روایت میں کمالِ ایمان کی نفی مقصود ہے[19] اور مراد یہ ہے کہ ایسا شخص مومنِ کامل نہیں۔ چنانچہ دونوں روایتوں کا مجموعی مفہوم یہ ہے کہ زنا و چوری جیسے گناہوں کا ارتکاب ضعفِ ایمان پر دلالت کرتا ہے تاہم ایسے ضعیف الایمان شخص کا

خاتمہ اگر ایمان پر ہی ہو تو وہ جنت میں بالآخر ضرور داخل ہو گا۔ بعض دیگر روایات میں بھی اس مفہوم کا مضمون ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

"ليس المؤمنُ بِالَّذى يَشبَعُ وَجَارہ جَائِع إلىٰ جَنبه[20]"۔

ترجمہ: "وہ شخص مومن نہیں جو خود شکم سیر ہو کر کھائے اور اس کے برابر میں اس کا پڑوسی بھوکا ہو"۔

اس روایات میں بھی ایمانِ کامل کی نفی ہے، نہ کہ نفسِ ایمان کی[21]۔

پانچواں اصول

اختلافِ احوال پر محمول کرنا:

تطبیق بین الروایات کا پانچواں اصول یہ ہے کہ متعارض نظر آنے والی روایات کو اختلافِ احوال پر محمول کیا جائے، کیونکہ روایات کا اختلاف بسا اوقات احوال کے اختلاف کی بنا پر ہوتا ہے۔ ایسی روایات کو اگر ان کی متعلقہ صور تحال پر محمول کر لیا جائے تو نظر آنے والا تعارض ختم ہو کر ان میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

مثال:

ایک روایت میں ارشادِ نبوی ہے:

"مَن قُتلَ دُونَ ماله فهو شهيد، ومن قُتِلَ دونَ أهله أو دونَ دمه أو دونَ دينه فهو شهيد[22]"۔

ترجمہ: "جو شخص اپنے مال کے تحفظ میں مارا گیا وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے اہل وعیال، جان یا دین کے تحفظ کی خاطر مارا گیا وہ شہید ہے"۔

اس روایت سے جان ومال وعزت وآبرو کی حفاظت کی خاطر لڑنے کا جواز بلکہ ترغیب معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس غرض سے لڑنے والے کو آنحضرت ﷺ نے شہادت کے مرتبہ کا مستحق قرار دیا ہے[23]۔

جبکہ ایک دوسری روایت میں ہے:

"كُن حِلسَ بيتك، فَإن دَخَل عَليكَ فَادخُل مَخدَعَك، فَإن دَخَلَ عَلَيكَ فَقُل:بُؤ بِاثمِي وَإثمِكَ، وَكُن عَبدَالله المَقتُول، وَلَا تَكُن عَبدَالله القَاتل[24]".

ترجمہ: "تم اپنے گھر کی چٹائی بن جاؤ، اگر کوئی (تمہیں قتل کرنے کی غرض سے) تمہارے گھر میں گھس آئے تو تم اندر کے کمرے میں گھس جاؤ، اور اگر وہ وہاں بھی آجائے تو تم یوں کہو: "تُو میرے اور اپنے گناہ کو لے کر لوٹ" اور تم اللہ کے مقتول بندے بن جاؤ، قاتل بندے نہ بنو"۔

اس روایت میں یہ ہے کہ اگر تم پر کوئی حملہ کرے تو تم قتل ہو جاؤ لیکن حملہ آور کو قتل نہ کرو۔

حل تعارض:

مذکورہ دونوں روایتیں مختلف احوال سے متعلق ہیں۔ روایتِ اولی عام حالات کے بارے میں جبکہ روایتِ ثانیہ خانہ جنگی کی صورتحال کے بارے میں ہے، لہذا ان روایات میں تعارض نہیں۔ دونوں روایتوں کے محل کی مزید تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

پہلی روایت کا محل:

پہلی روایت اس صورتحال کے متعلق ہے جبکہ کوئی ڈاکو، راہزن یا دشمن کسی کو قتل کرنے، اس کا مال لوٹنے یا اس کی عزت و آبرو پر دست درازی کرنے کی کوشش کرے۔ ایسی صورت میں اپنی جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ کی خاطر لڑنا جائز اور کوئی اور چارہ جوئی نہ ہونے کی صورت میں حملہ آور کو قتل کر دینا مباح ہے۔ اور اس لڑائی میں اپنے تحفظ کی غرض سے لڑنے والا اگر قتل ہو جائے تو وہ شہید اور اس کا قاتل جہنمی ہے[25]۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

"عن أبي هريرة، قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله، أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالك، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار[26]".

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا، مجھے بتایئے اگر کوئی شخص آکر میرا مال چھیننا چاہے تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: تم اسے اپنا مال مت دو۔ اس نے پوچھا: اگر وہ مجھ سے قتال کرے تو؟ آپ نے فرمایا: تم اس کا مقابلہ کرو۔ اس نے پوچھا: اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ آپ نے فرمایا: تم شہید ہو گے۔ اس نے پوچھا: اور اگر میں اسے قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا: وہ جہنم میں جائے گا"۔

دوسری روایت کا محل:

دوسری روایت جس میں قتال کی ممانعت ہے وہ خانہ جنگی کی صورتحال کے بارے میں ہے، کہ اگر مسلمانوں میں باہم خانہ جنگی پھوٹ جائے اور حق و باطل کا امتیاز نہ ہو تو ایسی صورتحال میں ہدایت یہ ہے کہ اس خانہ جنگی میں شریک نہ ہو، بلکہ اپنی تلوار نیام میں ڈال کر گھر کی چٹائی بن جاؤ۔ خود مقتول ہو جاؤ لیکن خانہ جنگی میں کود کر کسی کو قتل نہ کرو[27]۔ چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے:

"كَيفَ بِک يا أباذرّ إذا كانَ بِالمدينةِ قَتلٌ يغمُرُ الدِّماءُ حجارةِ الزيت؟ قُلتُ: اللهُ ورسوله أعلم، قَالَ: "تَأتِي مَن أنتَ مِنه" قُلتُ:وَألبسُ السِّلاحَ؟ قالَ:"شَاركتَ القومَ إذاً" قلتُ:فَكيفَ أصنَعُ يارسولَ الله؟ قَالَ:"إن خَشِيتَ أن يَبهَرَک شِعاعُ السيف، فَألقِ ناحيةَ ثوبِک عَلَى وَجهِک لِيبُوأ بِإثمِکَ وَإثمه[28]".

ترجمہ: "آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب مدینہ میں ایسا قتلِ عام ہو گا کہ زیت (ایک جگہ کا نام ہے) کے پتھر خون سے رنگین ہو جائیں گے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم جس سے ہو اس کے پاس آجانا (یعنی اپنے اہل و عیال میں آجانا) میں نے پوچھا کیا میں ہتھیار اٹھاؤں؟ آپ نے فرمایا: پھر تو تم بھی (اس خانہ جنگی) میں شریک ہو جاؤ گے۔ میں نے عرض کیا: پھر میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: اگر تمہیں اپنے اوپر تلوار کی چمک کا (یعنی قتل ہو جانے کا) خوف ہو تو اپنے چہرے پر کپڑا ڈال دینا تاکہ (تمہارا قاتل) تمہارے اور اپنے گناہ کے ساتھ لوٹے"۔

مذکورہ روایت سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں آپ ﷺ نے حملہ آور کا مقابلہ کرنے سے منع فرمایا وہاں درحقیقت خانہ جنگی یا عصبیت کی جنگ میں شریک ہونے سے ممانعت فرمائی۔ اس تفصیل کے بعد مذکورہ بالا روایات میں تعارض باقی نہیں رہتا۔

چھٹا اصول

اختلافِ حیثیت پر محمول کرنا:

یہ امر ظاہر ہے کہ ایک چیز پر مختلف حیثیتوں (پہلوؤں) سے متضاد احکام لگائے جاسکتے ہیں۔ مثلاً ایک ہی شخص کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ باپ بھی ہے اور بیٹا بھی، حالانکہ باپ اور بیٹا ہونا متضاد صفتیں ہیں، لیکن یہ کہہ سکتے ہیں وہ اپنے بیٹے کا باپ اور باپ کا

بیٹا ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ جسمانی لحاظ سے قوی لیکن دماغی لحاظ سے کمزور ہے۔ قوی و کمزور ہونا گو کہ دو متضاد صفتیں ہیں تاہم مختلف حیثیتوں سے (دماغی حیثیت اور جسمانی حیثیت سے) یہ دونوں متضاد صفتیں ایک شخص میں مجتمع ہو سکتی ہیں۔ احادیثِ نبویہ کا اختلاف بھی بسا اوقات اختلافِ حیثیت کی بنا پر ہوتا ہے۔ ایسی روایات کے اختلاف کو اگر اختلافِ حیثیت پر محمول کر دیا جائے تو ان کا تعارض ختم ہو جاتا ہے۔

مثال:

جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے:

"قَالَ: سُئِلَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عليه وَسلَّم أيُّ الأعمالِ أفضلُ؟ وأيُّ الأعمالِ أخيرُ؟ قالَ:"إيمَانٌ بِاللهِ و رَسولِه" قِيلَ: ثُمَّ أيُّ شيء؟ قالَ:"الجِهادُ سِنامُ العمل" قِيلَ: ثُمَّ أيُّ شيءٍ يارسولَ الله؟ قال:" ثمَّ حجٌّ مَبرُورٌ[29]".

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے افضل اور بہتر عمل کون سا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پھر پوچھا گیا اس کے بعد کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جہاد عمل کی بلندی ہے۔ پھر پوچھا گیا اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: حجِ مقبول"۔

اس روایت میں ایمان، جہاد اور حجِ مبرور کو بالترتیب تمام اعمالِ حسنہ سے افضل بتایا گیا ہے۔ جبکہ بعض روایات میں نماز کو سب سے افضل عمل بتلایا گیا ہے۔ چنانچہ ترمذی و ابو داؤد میں نماز کے بارے میں ہے:

"عن أمّ فروة قالت: سُئل رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: أيّ الأعمال أفضل؟ قال:"الصلاة لأول و قتها[30]".

ترجمہ": حضرت ام فروہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا اعمال میں سے کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اول وقت میں نماز پڑھنا۔"

ترمذی و ابن ماجہ کی درج ذیل روایت میں ذکر کی افضلیت مذکور ہے:

"عن أبی الدَّرداء قال: قَالَ رسولُ اللہ صلَّی اللہُ علیه وَسلَّم:" ألا أُنَبِّئُكم بِخَيرِ أعمالِكم وَأزكَاها عِندَ مَلِيكِكُم، وَأرفَعِها فِی درجاتِكم، وَخيرٌ لِّكُم مِن إنفاقِ الذَّهب والورقِ، وَخيرٌ لَكم مِن أن تَلقَوا عَدُوَّكم فَتَضرِبُوا أعنَاقَهم وَيَضرِبُوا أعناقَكُم؟ قالوا: بلیٰ، قال:" ذكرُ اللہ[31]".

ترجمہ:" حضرت ابو درداء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں سب سے بہتر اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ، اور تمہارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی، اور سونا چاندی (اللہ کے راستے میں) خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر، اور (جہاد میں) تم دشمنوں کو قتل کرو وہ تمہیں قتل کریں اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے؟ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا: ضرور بتائیں، آپ نے ارشاد فرمایا: (وہ چیز) اللہ کا ذکر ہے"۔

بعض روایات میں کھانا کھلانے اور سلام کرنے کو سب سے بہتر عمل قرار دیا گیا ہے[32]۔

حل تعارض:

مذکورہ روایات کا اختلاف، اختلافِ حیثیت پر محمول ہے، یعنی ان روایات میں مذکور اعمالِ حسنہ میں سے ہر عمل مخصوص حیثیت کے لحاظ سے دیگر اعمال پر فضیلت رکھتا ہے۔ ایمان، جہاد اور حج جو اول الذکر روایت میں مذکور ہیں، اس لحاظ سے دوسرے اعمال کے مقابلے میں زیادہ فضیلت کے حامل ہیں کہ ان کی انجام دہی میں جو مشقت اور محنتِ شاقہ اٹھانی پڑتی ہے وہ دیگر اعمال میں نہیں۔ جہاد اور حج کی ادائیگی میں تو تعب و مشقت ظاہر ہے، قبولِ ایمان ان سے کہیں زیادہ دشوار اور مشکل عمل ہے، کیونکہ رگ وریشہ میں رچے بسے آباؤ اجداد کے دین کو خیرباد کہہ کر اس کے مخالف دین کو، گوکہ وہ برحق اور سچا ہو، سینہ سے لگانا نفس پر نہایت شاق ہوتا ہے، بالخصوص عہدِ نبوی میں اور تمدن سے دور عرب کی سرزمین پر، کیونکہ وہ زمانہ اور خطہ جاہلی حمیت اور آباء کے طور طریقوں پر مفاخرت کے لئے شہرت رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں نبوت کے ابتدائی دور میں قبولیتِ اسلام کا اعلان اپنے آپ کو مصائب و آلام کے دھکتے الاؤ میں ڈال دینے کے مترادف بھی تھا۔ نیز ایمان کو فضیلت یوں بھی حاصل ہے کہ اس کے بغیر تمام نیک اعمال ہبائے منثور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نماز اور ذکر، جن کا بیان ثانی الذکر روایت میں ہے، عبدیت اور بندگی کے اظہار کا بے مثال نمونہ ہونے کے لحاظ سے اپنے اندر فضیلت کا وہ پہلو رکھتے ہیں جو دیگر اعمال میں نہیں۔ نماز میں بندہ اپنی جبینِ نیاز زمین پر رکھ کر اللہ عزوجل کے حضور اپنی کمالِ بندگی کا اظہار کرتا ہے، اور ذکر میں اپنے خالق کے اسماء حسنیٰ کے ورد کو اپنا وظیفہ حیات بنا دیتا ہے۔ چونکہ ان اعمال میں اظہارِ عبدیت دیگر اعمال کے مقابلہ

میں زیادہ ہے اس لئے اس جہت سے یہ اعمال زیادہ افضل ہیں۔ سلام، اطعام وغیرہ، جن کا ذکر آخری روایت میں ہے، فضیلت وبرتری کا ایک الگ پہلو لئے ہوئے ہیں، اور وہ ہے اپنے خالق کے کنبہ یعنی خلقِ خدا کی خدمت، دلجوئی اور دل بدست آوری۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ روایات میں ذکر کردہ اعمال میں سے ہر عمل کی فضیلت کو اگر اس کے مخصوص سببِ فضیلت پر محمول کیا جائے تو ان میں تعارض کا شبہ باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: "(افضلیتِ اعمال کا) یہ اختلاف ہمارے نزدیک افضلیت کی وجوہات کے اختلاف پر محمول ہے، کیونکہ افضلیتِ اعمال کسی ایک وصف یا ایک حیثیت میں منحصر نہیں' بلکہ مختلف اوصافِ کمال اور مراتبِ فضل کی بنیاد پر ہے۔ چنانچہ بعض اعمال دوسرے اعمال سے اس بنا پر بہتر ہیں کہ وہ فطرتِ انسانی کے تقاضوں کے مطابق ہر اچھے برے انسان کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور انسانوں کے دل موہ لینے اور ان کے مابین محبت وموڈت پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ ان اعمال میں عفو درگذر سے کام لینا اور خندہ پیشانی سے ملنا وغیرہ شامل ہیں۔ ان اعمال کی فضیلت اِس بنا پر ہے۔ لیکن اگر بعض دوسرے اعمال کو کسی دوسری حیثیت سے اِن اعمال پر فضیلت حاصل ہو جائے تو اس سے کوئی تضاد پیدا نہیں ہوتا۔ عہدِ نبوی میں اس قسم کے اعمال میں سب سے پہلا عمل آباؤاجداد کے ادیان کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا تھا، اس عمل سے زیادہ سخت ان کے نزدیک کوئی عمل نہیں تھا۔ پھر اس کے بعد اللہ کے راستے میں جہاد ہے اور اس کے بعد حج مبرور ہے (ان اعمال میں انسان) مال خرچ کرکے اور سفر کی صعوبتیں اٹھا کر اپنے نفس کو خوب تھکاتا ہے۔ بعض اعمال میں اوپر ذکر کردہ دو وجوہاتِ فضیلت کے علاوہ ایک اور وجہ ملحوظ ہے، وہ یہ کہ وہ اعمال مولی کی بندگی کے سب سے زیادہ مناسب ہیں۔ بندے کی شانِ عبدیت: فرمانبرداری، حکمِ خداوندی کی بجاآوری میں مستعدی، تکبر اور غرور سے اجتناب، اور اپنی مکمل پستی ودرماندگی کا اظہار ہے۔ اِن اعمال میں اپنے وقت پر نماز پڑھنا وغیرہ شامل ہیں[33]"۔

یہاں تک وہ اصول ذکر کئے گئے ہیں جن کی بنا پر متعارض روایات میں تطبیق دی جاتی ہے۔ ان اصولوں کی بنیاد پر بالعموم متعارض روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ البتہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ متعارض روایات میں تطبیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس کے کیا اسباب ہیں، ذیل میں اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

بعض متعارض روایات میں تطبیق ممکن نظر نہ آنے کی وجوہات

متعارض احادیث میں تطبیق ظاہر نہ ہونے کے درج ذیل تین بنیادی سبب ہیں:

۱۔ راوی کا روایت میں تصرف۔ ۲۔ حدیث کے اصل مفہوم پر مطلع نہ ہو پانا۔ ۳۔ نسخ کا علم نہ ہو پانا۔

ذیل میں ان اسباب کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

ا۔ راوی کا روایت میں تصرف:

روایات میں تطبیق ممکن نظر نہ آنے کی ایک وجہ راوی کی طرف سے روایت میں تصرف ہے۔ بعض اوقات راوئ حدیث روایت کے الفاظ بعینہ روایت کرنے کے بجائے اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں روایت کرتا ہے، یا اختصار وغیرہ کی غرض سے روایت کا بعض حصہ حذف کر دیتا ہے۔ راوی کے اس تصرف سے کبھی روایت کا مفہوم و معنی تبدیل ہو کر روایات میں تعارض پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسی روایات میں عملِ تطبیق جاری کرنے کی کوشش کی جائے تو اس میں کامیابی نہیں ہوتی، جس کی وجہ اِن روایات کا حقیقی تعارض نہیں بلکہ راوی کا تصرف ہے۔ چنانچہ اس نوعیت کے تعارض میں تطبیق کی راہ نہیں نکالی جاتی، بلکہ راوی کے تصرف کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

مثال:

"عن يزيد بن أبي زياد عن كريب عن ابن عباس: بتُّ عند خالتي ميمونة فاضطجع رسول الله صلى الله عليه وسلم .... ثم قام فصلّى، فقمت عن يمينه فجعلني عن يساره... الخ[34]".

ترجمہ: "یزید بن ابی زیاد اپنے شیخ کریب سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ کے ہاں رات گذاری، رات کو آپ ﷺ نے اٹھ کر (تہجد کی) نماز شروع کی، میں بھی نماز کے لئے آپ کی دائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپ نے مجھے پکڑ کر بائیں جانب کر دیا"۔

اس روایت میں محدّث کریب کے شاگرد "یزید بن ابی زیاد" یہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس نبی ﷺ کی دائیں جانب کھڑے ہوئے تو آپ نے انہیں پکڑ کر بائیں جانب کر دیا۔ یہاں یزید بن ابی زیاد سے روایت کے الفاظ میں تبدیلی واقع ہوئی ہے، کیونکہ کریب کے دیگر شاگردوں مثلاً مخرمہ بن سلیمان، سلمہ، سالم بن ابی جعد وغیرہ کی روایات کے الفاظ یہ ہیں:

"فقمت عن يساره فجعلني عن يمينه[35]".

ترجمہ: میں آپ ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہو تو آپ نے مجھے اپنی دائیں جانب کر دیا"۔

ان روایات میں بائیں جانب کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ مذکورہ روایتوں کا تعارض ایسا ہے کہ ان میں تطبیق ناممکن ہے۔ لیکن یہ تعارض چونکہ راوی کے تصرف سے پیدا ہوا ہے، لہذا یہاں تطبیق کی راہ اختیار کرنے کے بجائے راوی کی غلطی کی نشاندہی کی گئی جس سے یہ واضح ہو گیا کہ دونوں روایتوں میں تعارض راوی کی غلطی سے پیدا ہوا ہے۔

۲۔ حدیث کے اصل مفہوم و مراد پر مطّلع نہ ہو پانا:

احادیث متعارضہ میں تطبیق ناممکن نظر آنے کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ روایاتِ متعارضہ کے حقیقی مفہوم و مراد کا علم نہیں ہو پاتا۔ گویا تطبیق فی نفسہ ممکن ہوتی ہے، لیکن متعارض احادیث کی بعض تفصیلات سے مطلع نہ ہو پانے اور احادیث کے اصل مفہوم و مراد تک نہ پہنچ پانے کے سبب ناممکن نظر آتی ہے۔ علامہ عبد الحی لکھنوی لکھتے ہیں:

"وليس للجمع حدٌّ يَنتهِى به، فان لم يَظهَر لواحدٍ طريقُ الجمع لا يَلزَم منه التعذّرُ لإمكانِ ظهوره لآخَر[36]".

"تطبیق کی (صورتوں) کی کوئی مقررہ حد نہیں ہے۔ اگر کسی کے سامنے تطبیق کی کوئی صورت ظاہر نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تطبیق ممکن ہی نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کسی اور کے لئے تطبیق کی کوئی صورت ظاہر ہو"۔

چنانچہ یہ عین ممکن ہے کہ بعض حضرات کے لئے تطبیق ممکن نہ ہو، لیکن دوسرے اصحابِ علم کے سامنے تطبیق کی کوئی صورت ظاہر ہو۔ علامہ ابن خزیمہ کا یہ قول مشہور ہے:

"لاَ أَعْرِفُ حَدِيْثَيْنِ صَحِيْحَيْنِ مُتَضَادَّان، فَمَن كان عِنده شىءٌ فَلْيَأْتِنِى به لِأُؤَلِّفَ بَيْنَهما[37]".

ترجمہ: "مجھے کوئی بھی دو صحیح حدیثیں ایسی معلوم نہیں ہیں جن میں تضاد ہو (یعنی ایسا حقیقی تضاد ہو کہ ان میں تطبیق ممکن نہ ہو) اگر کسی کے پاس ایسی حدیثیں ہیں تو میرے پاس لے آئے تاکہ میں ان میں تطبیق دے دوں"۔

۳۔ نسخ کا علم نہ ہو پانا:

تطبیق ممکن نہ ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات دو متعارض احادیث میں سے ایک ناسخ اور دوسری منسوخ ہوتی ہے۔ حدیثِ منسوخ بمنزلہ معدوم کے ہوتی ہے لہذا وہ حدیثِ ناسخ کے معارض نہیں ہو سکتی۔ عام طور پر دلائل و قرائن سے حدیثِ منسوخ کا منسوخ ہونا واضح ہو جاتا ہے، لہذا اسے منسوخ قرار دے کر حدیثِ ناسخ پر عمل کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات کوئی دلیل یا

قرینہ نہیں مل پاتا جس کی بنیاد پر حدیثِ منسوخ کا علم ہو سکے۔ لہذا نسخ کا علم نہ ہونے کے سبب دونوں حدیثوں کا تعارض دور نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ علامہ سرخسی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"وَإِنَّمَا يَقع التَّعَارُض لجهلِنا بالتاريخ فَإِنَّهُ يتَعَذَّر بِهِ علينا التَّمْيِيز بَين النَّاسِخ والمنسوخ، أَلا ترى أَن عِنْد الْعلم بالتاريخ لَا تقع الْمُعَارضَة بِوَجْه وَلَكِن الْمُتَأَخر نَاسخ للمتقدم، فَعرفنَا أَن الْوَاجِب فِي الأَصْل طلب التَّارِيخ ليعلم بِهِ النَّاسِخ من الْمَنْسُوخ[38]".

ترجمہ: "تعارض اس وجہ سے واقع ہوتا ہے کہ ہمیں (دونوں حدیثوں کی) تاریخ کا علم نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے ناسخ و منسوخ کی تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ تاریخ کا علم ہو جانے کے بعد تعارض باقی نہیں رہتا بلکہ مؤخر، مقدّم کے لئے ناسخ ہو جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ضروری چیز یہ ہے کہ تاریخ معلوم کی جائے تاکہ ناسخ و منسوخ کا علم ہو جائے"۔

بسا اوقات منسوخ حدیث روایت کرنے والے صحابی کو بھی اس حدیث کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہوتا، بایں سبب کہ جس مجلس میں آپ ﷺ نے نسخ کا ذکر فرمایا اس میں وہ صحابی موجود نہیں تھے اور بعد میں بھی انہیں کسی ذریعے سے نسخ کا علم نہیں ہو پایا۔ اس لئے وہ صحابی نسخ کی صراحت کے بغیر اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شدّاد بن اوس، حضرت ابو ذر کے بارے میں (جو بعض احکام میں دوسرے صحابہ کرام کے برعکس سخت موقف رکھتے تھے) بیان کرتے ہیں:

"كان ابو ذر سمع الحديثَ من رسول الله ﷺ فيه الشدة ،ثم يخرج الى قومه يسلّم عليهم،ثم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرخِّص فيه بعد، فلم يسمعه أبو ذر، فيتعلق أبو ذر بالأمر الشديد[39]".

ترجمہ: "ابو ذر (رضی اللہ تعالی عنہ) رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی روایت سنتے جس میں (کسی حکم کے متعلق) سختی ہوتی، پھر وہ اپنی قوم کی طرف چلے جاتے۔ ان کے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ اس حکم میں رخصت (نرمی) فرما دیتے، لیکن نرمی کا حکم نہ سننے کے سبب وہ سختی کے حکم ہی کو اپنائے رکھتے"۔

خلاصہ یہ ہے کہ متعارض روایات میں تطبیق ممکن نظر نہ آنا حقیقی تعارض کی بنا پر نہیں ہوتا، بلکہ اُن روایات کی اصل مراد یا نسخ کا علم نہ ہونے کے سبب ہوتا ہے۔ علامہ ابنِ ہمام نے مذکورہ دونوں اسباب مندرجہ ذیل مختصر عبارت میں ذکر کئے ہیں:

"وذلک لجهلنا بالمراد أو بالمتقدم منهما[40]".

ترجمہ: "تعارض اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ہمیں (دلیل کی) مراد کا یا مقدّم دلیل (یعنی منسوخ دلیل) کا علم نہیں ہوتا"۔

ظاہری تعارض کی قرآن سے مثالیں:

اب یہاں قرآن کریم کی آیات میں ظاہری تعارض کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ جس قسم کے تعارض کی بناپر بعض حضرات روایاتِ حدیث پر اعتراض اٹھارہے ہیں ویسا تعارض قرآنِ کریم کی آیات میں بھی پایا جاتا ہے، تو جس طرح کلامِ باری تعالی کا ظاہری تعارض ہر گز موجبِ قدح نہیں، احادیثِ نبویہ کا ظاہری تعارض بھی نہیں، لہذا ایسا تعارض حجیتِ حدیث پر ہر گز اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

پہلی مثال:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تسخیر کردہ ہوا کی رفتار کے بارے میں سورہ انبیاء میں ہے:

﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً﴾[41]

ترجمہ: "اور ہم نے تیز ہوا کو سلیمان کا تابع بنادیا تھا"۔

جبکہ سورہ ص میں ہے:

﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ﴾[42]

ترجمہ: "سو ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ جانا چاہتے چلتی"۔

آیتِ اولی میں مسخر کردہ ہوا کو "عاصفة" (تیز چلنے والی ہوا) کہا گیا ہے جبکہ آیتِ ثانیہ میں "رخاء" (نرم اور ہلکی) بتلایا گیا ہے۔ اس طرح یہ دونوں آیتیں متعارض معلوم ہوتی ہیں۔ اس تعارض کا حل یہ ہے کہ یہ اختلاف، اختلافِ حیثیت پر محمول ہے، یعنی ہوا کی شدت اور نرمی دونوں کی جہت مختلف تھی، وہ مسافت طے کرنے کے اعتبار سے تیز رفتار تھی، تاہم فی نفسہ خفیف اور نرم تھی، یعنی تیز رفتار ہونے کے باوجود اس تیز آندھی کی طرح نہیں تھی جو ہر چیز کو تہہ وبالا کر دیتی ہے، بلکہ نہایت اطمینان وسکون سے اس طرح چلتی تھی کہ اس کی تیز رفتاری سے تخت سواروں کو کوئی پریشانی نہ ہوتی۔[43]

دوسری مثال:

سورہ اعراف کی درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی دعا قبول ہوتی ہے:

﴿قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ، قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ﴾(44)

ترجمہ: "وہ کہنے لگا مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک، اللہ تعالی نے فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی"۔

اس آیت میں حق تعالی نے رئیس الکفار ابلیس کی دعا کی قبولیت کا ذکر فرمایا ہے، جب اس کی دعا قبول ہو گئی تو دیگر کفار کی دعا بدرجہ اولی قبول ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں ہے:

﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾(45)

ترجمہ: "پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے، تو وہ فوراہی شرک کرنے لگتے ہیں"۔

جبکہ سورہ رعد میں اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے:

﴿وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾(46)

ترجمہ: "اور کافروں کی دعا محض بے اثر ہے"۔

مذکورہ آیتیں کفار کی دعا کی قبولیت وعدمِ قبولیت کے بارے میں بظاہر متعارض نظر آتی ہیں۔ اس تعارض کا حل یہ ہے کہ در حقیقت مذکورہ آیتوں میں دعا کا محل مختلف ہے۔ پہلی آیت میں دعا کا محل دنیوی جبکہ دوسری آیت میں اخروی امور ہیں۔ چنانچہ دنیوی معاملات سے متعلق کفار کی دعا قبول ہو سکتی ہے، جیسا کہ شیطان کی دعا دنیوی زندگی کے بارے میں تھی، لیکن امورِ آخرت، مثلاً مغفرت، رفعِ عذاب یا تخفیفِ عذاب کی دعا کفر وشرک پر رہتے ہوئے قبول نہیں ہوتی۔(47)

خلاصہ بحث:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ روایاتِ حدیث میں نظر آنے والا تعارض محض ظاہری تعارض ہے، حقیقی تعارض نہیں۔ مذکورہ بالا اصولِ تطبیق کو پیشِ نظر رکھ کر اگر متعارض روایات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو ان میں تعارض ختم ہو کر تطبیق ہو جاتی ہے۔ لہذا اس تعارض کی بنا پر احادیث پر اعتراض یا ان کی حجیت کا انکار ہر گز درست نہیں، ایسا ظاہری تعارض قرآن کریم کی آیات میں بھی پایا جاتا

ہے۔ نیز اگر بعض متعارض روایات میں تطبیق ممکن نظر نہیں آتی تو وہ ان کے حقیقی تعارض کی بنا پر نہیں، بلکہ راوی کے تصرف، روایت کے اصل مفہوم و مراد معلوم نہ ہونے یا ناسخ کا علم نہ ہونے کی بنا پر ہے۔

حوالہ جات

(1) النحل: 44/ 16.

(2)دو اسلام، غلام جیلانی برق ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈپبلشرز،لاہور،پاکستان،ط ن،25.

(3) دو اسلام،26.

(4) التقريب والتيسير لمعرفة سنن البشير والنذير، يحي بن شرف النووي،(ھ ت576)،ط1، دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان، 1985م،90/1.

(5) البقرة: 267/2.

(6) التفسير المنير فی العقيدة والشريعة والمنهج،الزحيلی،وهبة بن مصطفى الزحيلي،(ھ ت 2015)، دار الفكر المعاصر، بيروت ،لبنان،ط 2،1418ھ، 60/3.

(7) سنن أبي داؤد ،سليمان بن أشعث سجستاني،(ھ ت275)، دار القبلة، جدّه، سعوديه، ط 2، 2004م ،كتاب الأشربة، باب الشرب قائما، حديث نمبر (3710): 268/4.

(8) سنن ترمذی:محمد بن عيسى ترمذی،(ھ ت279)،دار ابن حزم، بيروت،لبنان،ط1،2002م،كتاب الأشربة،باب ما جاء فی الرخصة قائما،حديث نمبر(1888): 559/1 .

(9)مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، علي بن سلطان محمد القاري،(ھ ت1014)،مكتبة رشيدية، كوئته، ط س ن،163/8.

(10) شرح مشكل الآثار،أحمد بن محمد طحاوی،(ھ م 321)،مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان، ط1،1494ھ، باب بيان ما روي عن رسول الله من تفضيله من اعتزل شرور الناس الخ ،حديث نمبر(5539): 14/ 156.

(11)شرح مشكل الآثار، باب بيان ما روي عن رسول الله من تفضيله من اعتزل شرور الناس الخ حديث نمبر(5545):162/14.

(12) شرح مشكل الآثار، باب بيان ما روي عن رسول الله من تفضيله من اعتزل شرور الناس الخ حديث نمبر(5545):160/14.

(13)شرح مشكل الآثار، باب بيان ما روي عن رسول الله من تفضيله من اعتزل شرور الناس الخ حديث نمبر(5545):162/14.

(14) سنن كبرى،احمد بن حسين بيهقي،(ھ ت458)،دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ط1،2003م، كتاب الصوم، باب كراهية القبلة لمن حركت القبلة شهوته، حديث نمبر (8083):390/4.

[15]شعب الايمان، احمد بن حسين بيهقي، (ھ ت458)،دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ط1، 1410م،،فصل فی ترک الغضب وفی کظم الغیظ والعفو، 307/6.

[16] صحيح بخارى،محمدبن اسماعيل بخاري،(ھ ت256)دار السلام للنشر والتوزيع، رياض، سعوديه، ط1، 1997م، كتاب الحدود، باب السارق حين يسرق،حديث نمبر(6782).

[17] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،209/1.

[18] مسلم بن حجاج نيشاپورى،صحيح مسلم، (ھ ت 261)،دار احياء التراث العربي،بيروت، لبنان، ط س ن،كتاب الايمان، باب من مات لا يشرك بالله شيئا، حديث نمبر(310):311/1 .

[19] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،209/1.

[20]شعب الايمان،باب التوكل بالله عزوجل والتسليم،حديث نمبر(3117):225/3.

[21]مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،175/9.

[22]سنن أبي داؤد،كتاب السنة، باب في قتال اللصوص، حديث نمبر(4739):263/5 .

[23]مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،175/9.

[24] تاويل مختلف الحديث،عبد الله بن مسلم بن قتيبة،(ھ ت 276)،دار الفكر،بيروت،شام،ط ن،1995 م،144.

[25] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،83/7.

[26] صحيح مسلم،كتاب الايمان، باب الدليل علي أن من قصد أخذ ماله بغيرحق كان القاصد مهدر الدم في حقه،حديث نمبر(360):372/1.

[27] محمد تقى بن محمد شفيع عثماني،تكملة فتح الملهم، مكتبه دار العلوم كرا چى،ط ن،2004 م،كتاب الفتن، باب نزول الفتن كمواقع القطر، 269/6.

[28] حسين بن مسعود بغوي، شرح السنة،(ھ ت516)، بيروت، لبنان، المكتب الاسلامي، ط2، 1983م، كتاب العلم، حديث نمبر(4220):12/15.

[29] سنن ترمذى، كتاب الجهاد،باب ما جاء أي الأعمال أفضل،حديث نمبر(1662):506/1.

[30]سنن ترمذى، كتاب الصلاة،باب ما جاء في الوقت الأول من الفضل،حديث نمبر(170):74/1.

(31) سنن ترمذی، کتاب الدعوات،باب ما جاء في فضل الذكر،حديث نمبر(3386):938/1.

(32)صحيح مسلم،كتاب الايمان، باب تفاضل الاسلام وأي أموره أفضل،حديث نمبر(160):233/1.

(33) فتح الملهم شرح صحيح مسلم، شبير احمد بن فضل الرحمن عثماني، (ه ت 1369)،مكتبه دار العلوم كراچی،كراچی،پاكستان،ط جديد،1424م،624/1.

(34) التمييز، مسلم بن حجاج نيشاپوری،الخبر المنقول على الوهم في متنه،مكتبة الكوثر،المربع، السعودية،ط3، 1410ه، 184،183.

(35)التمييز: 184.

(36) الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة، محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم لكهنوي،(ه ت1304)مكتبة المطبوعات الاسلامية، بيروت، لبنان، ط6 ، 2005م، 192.

(37) شرح نخبة الفكر، علي بن سلطان محمد القاري،(ه ت1014)،دار الأرقم، بيروت، لبنان، ط س ن، 375 .

(38) محمدبن احمد السرخسي،أصول السرخسي،دار المعرفة، بيروت، لبنان،ط1، 1997م، 14/2.

(39) مسند الامام احمد بن حنبل،احمد بن محمد بن حنبل،(ه ت241)،عالم الكتب،بيروت، لبنان،ط1، 1998م، مسند الشاميين،حديث شدّاد بن أوس، حديث نمبر(17267): 125/4.

(40) التحرير مع التيسير، محمد بن عبد الواحد ابن الهمام ،دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان،ط س، 1983م،136/3.

(41) الأنبياء:81/21.

(42) ص: 36/38-

(43)محمود بن عبد الله آلوسي،(ه ت 1270)، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني،ط2، بيروت، لبنان، دار الكتب العلمية، 2005م، 74/9 .

(44)الأعراف: 14/7 .

(45)العنكبوت:29/ 65 .

(46)الرعد: 13/ 14 .

(47)روح المعاني:7 /199 .